ڈاکٹر خالد علوی☆

تحفظِ ناموسِ رسالت ﷺ

حضور اکرم ﷺ کی ذاتِ گرامی اہلِ ایمان کے لئے ان کے جان ومال اور عزت و آبرو سے زیادہ عزیز ہے، کیونکہ ہماری روحانی زندگی اور ہمارے ایمان کا دارومدار آپ کی ذات سے تعلق پر ہے۔ قرآن مجید نے اس حقیقت کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

﴿اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَ اَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ﴾ [الأحزاب:٦]

''نبی مومنوں پر ان کی جان سے بھی زیادہ حق رکھتے ہیں اور نبی اکرم ﷺ کی بیویاں ان کی مائیں ہیں۔''

رسالت پناہ ﷺ کی ذات گرامی ایک مسلمان کے روحانی تشخص کا وسیلہ ہے۔ ان کی نسبت کے بغیر انسان مومن نہیں ہوسکتا بلکہ انسان کی انسانیت کا صحیح مرتبہ ایمان کے بغیر نہیں حاصل ہوتا۔ معاشرتی علوم کے ماہرین کہتے ہیں کہ انسان ایک معاشرتی حیوان (Social Animal) ہے اور انسان روحانیت سے محروم ہوتو واقعتاً وہ ایک حیوان ہی ہے۔ قرآن مجید نے ایمانی شعور سے محروم لوگوں کے لئے کہا ہے:

﴿لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا وَ لَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا وَ لَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ﴾ [الأعراف:١٧٩]

''ان کے دل ہیں، لیکن ان سے سمجھتے نہیں اور ان کی آنکھیں ہیں مگر ان سے دیکھتے نہیں اور ان کے کان ہیں پر ان سے سنتے نہیں۔ یہ لوگ بالکل چار پایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی بھٹکے ہوئے۔ یہی وہ لوگ ہیں جو غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔''

ایمان روحانی زندگی کی اَساس ہے اور ایمان کی اَساس حضور اکرم ﷺ کی ذات سے وابستہ ہے۔ اس وابستگی کے کئی مظاہر ہیں مثلاً آپ ﷺ سے محبت، آپ ﷺ کی اطاعت واتباع آپ ﷺ کی تعظیم وتوقیر اور آپ ﷺ کی نصرت۔

محبت

حضور اکرم ﷺ کی محبت ایک مسلمان کے ایمان کی دلیل ہے۔ اس محبت کے ذریعے سے وہ اپنے ایمان میں پختہ ہوتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا جب تک میں اس کے نزدیک اولاد، والد اور تمام انسانوں سے زیادہ محبوب نہ ہوجاؤں۔'' [صحيح البخاري:١٥]

قرآن مجید نے جہاں اللہ کے ساتھ محبت کا ذکر کیا وہیں رسول اکرم ﷺ کے ساتھ محبت کو بھی شامل کیا ہے۔ مثلاً

﴿قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ وَ اِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَ عَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ِۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَ مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَاۤ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ جِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ

☆ ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز، WISH یونیورسٹی، اسلام آباد

﴿فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَأْتِيَ اللّٰهُ بِأَمْرِهٖ ۚ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ﴾ [التوبة:٢٤]

''آپ ﷺ کہہ دیں کہ اگر تمہارے باپ اور بیٹے اور بھائی اور عورتیں اور خاندان کے آدمی اور مال جو تم کماتے ہو اور تجارت جس کے بند ہونے سے ڈرتے ہو اور مکانات جن کو پسند کرتے ہو، اللہ اور اس کے رسول سے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے تمہیں زیادہ عزیز ہوں تو پھر ٹھہرے رہو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم بھیجے اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا۔''

اسی طرح حضور اکرم ﷺ نے بھی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت کو اکٹھے بیان فرمایا:

تین چیزیں ہیں جس شخص میں پائی جائیں وہ ایمان کا ذائقہ پائے گا، وہ شخص جو کسی دوسرے شخص سے محض اللہ کی خاطر محبت کرے اور وہ شخص جسے اللہ اور اس کا رسول ان کے سوا ہر شے سے پیارا ہو۔[صحيح البخاري:٢١] یہ غالب محبت اگر موجود نہ ہو تو انسان حقیقی ایمان سے محروم رہتا ہے۔ یہ ایک منافقانہ طرزِ عمل ہوتا ہے جس میں زبانی محبت کا اظہار ہوتا ہے لیکن دوسری چیزوں کو ترجیح بھی حاصل ہوتی ہے۔

اطاعت واتباع

ایمان کا دوسرا تقاضا اطاعت واتباع کا ہے۔ حضور ﷺ کی ذات کو ایک اسوہ کامل بنا کر بھیجا گیا اور مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ وہ آپ کی اطاعت واتباع کریں بلکہ واضح طور پر کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ سے محبت کا تقاضا ہے کہ رسول کریم ﷺ کی اتباع کی جائے۔

﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْلَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾

''اے پیغمبر ﷺ لوگوں سے کہہ دیں کہ اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ تمہیں دوست رکھے گا اور تمہارے گناہ معاف کر دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔'' [آل عمران:٣١]

پھر فرمایا: آپ کہہ دیں کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کریں۔ اگر نہ مانیں تو اللہ بھی کافروں کو دوست نہیں رکھتا۔ اس اطاعت میں ان تمام احکام کو ماننا شامل ہے۔ جسے حضور اکرم ﷺ نے اُمت تک پہنچایا ہے۔

ارشادِ خداوندی ہے:

﴿فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَ يُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾ [النساء:٦٥]

''آپ کے رب کی قسم یہ لوگ جب تک اپنے تنازعات میں آپ کو منصف نہ بنائیں اور جو فیصلہ آپ کریں اس سے اپنے دل میں تنگ نہ ہوں بلکہ اس کو خوشی سے مان لیں، تب تک مومن نہیں ہوں گے۔''

آنحضرت ﷺ سے منقول ہے:

''تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس کی خواہش نفس اس کے تابع نہ ہو جائے جو میں لایا ہوں۔''

[السنة لابن ابى عاصم:الرقم:٣]

تعظیم

تعظیم کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کے مقام ومرتبے کا لحاظ رکھا جائے۔ کوئی ایسی بات اور کوئی ایسا کام نہ کیا

جائے جس سے آپ ﷺ کے وقار میں فرق آئے۔ مثلاً حضور اکرم ﷺ کی حیاتِ دینوی میں مسلمانوں کو یہ اَدب سکھایا گیا کہ آپ ﷺ کی آواز سے اونچی آواز نہ کریں مبادا اِن کے اعمال ضائع ہو جائیں۔ ارشاد خداوندی ہے:

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ﴾ [الحجرات:۲]

''اے اہل ایمان اپنی آوازیں پیغمبر کی آواز سے اونچی نہ کرو اور جس طرح آپس میں ایک دوسرے سے زور سے بولتے ہو اس طرح ان کے روبرو زور سے نہ بولا کرو کہ تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں اور تم کو خبر بھی نہ ہو۔''

حضور اکرم ﷺ کے صحابہ کی تعریف کرتے ہوئے قرآن نے کہا:

﴿فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾

''تو جو لوگ ان پر ایمان لائے اور ان کی توقیر وتکریم کی اور حمایت ونصرت گی اور اس نور کی پیروی کی جو ان کے ساتھ نازل کیا گیا، وہی فلاح پانے والے ہیں۔'' [الأعراف:۱۵۷]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے تعظیم و توقیر کا جو معیار قائم کیا وہ اُمت مسلمہ کے لئے نمونہ تقلید ہے۔ عروہ بن مسعود ثقفی رضی اللہ عنہ جو حدیبیہ کے موقع پر قریش کے ایلچی کی حیثیت سے حضور اکرم ﷺ کے ساتھ بات کرنے آیا تھا، اس نے ابوبکر رضی اللہ عنہ، مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کا حضور اکرم ﷺ سے تعلق خاطر اور تعظیم و توقیر کا رویہ دیکھا تو واپس جا کر قریش کو جو بیان دیا وہ بہترین مثال ہے۔ اس نے کہا:

''خدا کی قسم میں نے کسی بادشاہ کو نہیں دیکھا کہ اس کے ساتھی اس کی ایسی تعظیم کرتے ہوں جتنی محمد ﷺ کے ساتھی ان کی تعظیم کرتے ہیں۔ خدا کی قسم وہ کھنکار بھی تھوکتے تو کسی نہ کسی آدمی کے ہاتھ پر پڑتا تھا اور وہ کوئی حکم دیتے تھے تو اس کی بجاآوری کے لئے سب دوڑ پڑتے تھے اور جب وضو کرتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ اس کے وضو کے پانی کے لیے لوگ لڑ پڑیں گے۔ اور جب کوئی بات بولتے تھے تو سب اپنی آوازیں پست کر لیتے ہیں اور فرطِ تعظیم کے سبب انہیں بھرپور نظر سے نہ دیکھتے تھے۔ انہوں نے ایک اچھی تجویز پیش کی ہے، اسے قبول کرلو۔'' [صحيح البخاري:۲۷۳۴]

بیعت عقبہ میں جب اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ اور عباس بن عبادہ بن نضلہ رضی اللہ عنہ نے انصار کے وفد سے کہا، عباس رضی اللہ عنہ کے الفاظ ہیں:

''اگر تمہارا ارادہ یہ ہے کہ جو بلاوا تم اس شخص کو دے رہے ہو اس کو اپنے اَموال کی تباہی اور اپنے اشراف کی ہلاکت کے باوجود نباہو گے تو بے شک ان کا ہاتھ تھام لو، خدا کی قسم یہ دنیا و آخرت کی بھلائی ہے۔''

اس پر تمام وفد نے بالاتفاق کہا:

''ہم انہیں لیکر اپنے اَموال کو تباہی اور اپنے اشراف کو ہلاکت کے خطرے میں ڈالنے کیلئے تیار ہیں۔ [ابن هشام:۲/۱۰] نصرت ایمان کا تقاضا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی مدد کی جائے۔ یہ مدد آپ ﷺ کے پیغام کو غالب کرنے کے لئے بھی ہے اور آپ ﷺ کی ذات اور عزت کی حفاظت کے لئے بھی ہے۔ ابھی سورۃ الاعراف کی آیت مذکور ہوئی ہے اس میں نصرت کا ذکر بھی ہے۔ بنیادی طور پر تو یہ حفاظت ونصرت اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لی۔ جب آپ نے دعوت کا آغاز کیا تو آپ ﷺ تنہا تھے اور پھر چند ساتھی میسر آئے، لیکن مخالفین طاقتور بھی اور شریر بھی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے تکوینی طور پر آپ ﷺ کی حفاظت کا انتظام فرمایا۔ قرآن نے مشرکین مکہ کی منصوبہ بندی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَ اِذۡ یَمۡکُرُ بِکَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لِیُثۡبِتُوۡکَ اَوۡ یَقۡتُلُوۡکَ اَوۡ یُخۡرِجُوۡکَ ؕ وَ یَمۡکُرُوۡنَ وَ یَمۡکُرُ اللّٰہُ ؕ وَ اللّٰہُ خَیۡرُ الۡمٰکِرِیۡنَ﴾ [الانفال:۳۰]

''اور جب کافرلوگ آپ کے بارے میں چال چل رہے تھے کہ آپ کو قید کردیں یا جان سے ماردیں یا وطن سے نکال دیں تو اِدھر وہ چال چل رہے تھے اور اُدھر اللہ تدبیر کررہا تھا اور اللہ سب سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے۔''

مشرکین مکہ اپنی تمام تر کوششوں کے باوجود آپ ﷺ کو نقصان نہ پہنچا سکے۔ قرآن مجید نے تبلیغ رسالت کے سلسلے میں اس حفاظت کا خصوصی طور پر ذکر کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿یٰۤاَیُّہَا الرَّسُوۡلُ بَلِّغۡ مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکَ مِنۡ رَّبِّکَ ؕ وَ اِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلۡ فَمَا بَلَّغۡتَ رِسَالَتَہٗ ؕ وَ اللّٰہُ یَعۡصِمُکَ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَہۡدِی الۡقَوۡمَ الۡکٰفِرِیۡنَ﴾ [المائدة:٦٧]

''اے پیغمبر ﷺ جو ارشادات اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ پر نازل ہوئے ہیں سب لوگوں کو پہنچا دو اور اگر ایسا نہ کیا تو آپ نے اللہ کے پیغام کو نہیں پہنچایا اور اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں سے بچائے رکھے گا۔ بیشک اللہ تعالیٰ منکروں کو ہدایت نہیں دیتا۔''

ایسا نہیں ہے کہ مشرکین کے بڑے مجرموں نے آپ کو نقصان پہنچانے کی کوشش نہ کی ہو۔ اصل میں ان کی ہر کوشش ناکام ہوجاتی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حفاظت کا انتظام کیا ہوا تھا۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ابوجہل نے قریش کے لوگوں سے پوچھا: کیا محمد ﷺ تمہارے سامنے زمین پر اپنا منہ ٹکاتے ہیں؟ لوگوں نے کہا، ہاں! اس نے کہا: ''لات وعزیٰ کی قسم اگر میں نے ان کو اس طرح نماز پڑھتے ہوئے دیکھ لیا تو ان کی گردن پر پاؤں رکھ دوں گا اور ان کا منہ زمین میں رگڑ دوں گا'' پھر ایسا ہوا کہ حضور اکرم ﷺ کو نماز پڑھتے دیکھ کر آگے بڑھا تاکہ آپ کی گردن پر پاؤں رکھے مگر یکا یک لوگوں نے دیکھا کہ وہ پیچھے ہٹ رہا ہے اور اپنا منہ کسی چیز سے بچانے کی کوشش کررہا ہے۔ اس سے پوچھا گیا کہ یہ تجھے کیا ہوگیا؟ اس نے کہا میرے اور ان کے درمیان آگ کی ایک خندق اور ایک ہولناک چیز تھی اور کچھ پر تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر وہ میرے قریب پہنچتا تو ملائکہ اس کے چیتھڑے اڑا دیتے۔

[تفسیر طبری:۳۰/۲۵٦،صحیح البخاري:۴۹۸۴]

زبان وعمل سے حضور ﷺ کو اذیت دینا، پیغمبرانہ دعوت کے آغاز سے لے کر اب تک کفار ومشرکین حضورِ اکرم ﷺ کی عزت اور آپ ﷺ کے وقار وناموس کے درپے ہیں۔ تحفظ کی ایک ذمہ داری تو آپ ﷺ کے رب نے لے رکھی ہے۔ وہ ان اذیتوں کو بے اثر کرنے اور ایذارسانی کا ارتکاب کرنے والوں کو سزا دینے کا انتظام کئے ہوئے ہے۔ قرآن مجید نے وضاحت کے ساتھ اسے بیان کیا ہے اور جو لوگ اللہ کے رسول کو دکھ دیتے ہیں ان کے لئے دردناک سزا ہے۔ [التوبة:٦١]

یہ آیت منافقین کے رویہ پر تنبیہ ہے۔ منافقین حضور اکرم ﷺ کی عیب جوئی کرتے تھے اس پر یہ تنبیہ نازل ہوئی۔ اس مضمون کو دوسری جگہ پر یوں بیان فرمایا:

﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ یُؤۡذُوۡنَ اللّٰہَ وَ رَسُوۡلَہٗ لَعَنَہُمُ اللّٰہُ فِی الدُّنۡیَا وَ الۡاٰخِرَۃِ وَ اَعَدَّ لَہُمۡ عَذَابًا مُّہِیۡنًا﴾

''جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے پیغمبر کو رنج پہنچاتے ہیں ان پر اللہ دنیا وآخرت میں لعنت کرتا ہے اور ان کے لئے اس نے ذلیل کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔'' [الأحزاب:۵۷]

مکہ مکرمہ میں مسلمان کمزور تھے اس لئے حضورِ اکرم ﷺ کی حفاظت مکمل طور پر تکوینی تھی اور مسلمانوں کو اذیتوں

کے مقابلے میں صبر واستقامت کی ہدایت تھی۔ مدینہ طیبہ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو قوت واقتدار عطا کیا اور وہ دفاعی طور پر مستحکم ہوئے۔ اب بھی حضور اکرم ﷺ کی حفاظت کے لئے تکوینی دائرہ قائم تھا اور قیامت تک کے لئے قائم رہے گا، لیکن تشریعی طور پر اب اُمت تحفظ ناموسِ رسالت میں ذمہ دار ٹھہرائی گئی۔ مدینہ طیبہ میں منافقین اور یہود کی ریشہ دوانیاں جاری تھیں۔ ان کی اِیذا رسانی، توہین، استہزاء واستخفاف کا رویہ مسلمانوں کے لئے ایک مسئلہ بن گیا تھا۔ قرآن مجید نے سورہ احزاب ہی میں ان کے بارے میں پالیسی طے کردی۔ ارشاد خداوندی ہے:

﴿لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّ الْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَآ اِلَّا قَلِيْلًا مَّلْعُوْنِيْنَ اَيْنَمَا ثُقِفُوْٓا اُخِذُوْا وَ قُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا، سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا﴾ [الأحزاب:٦٠ تا٦٢]

''اگر منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں مرض ہے اور مدینہ میں پروپیگنڈہ کرنے والے باز نہ آئے تو ہم ان کے خلاف آپ کو شہہ دیں گے پھر وہ اس میں تھوڑے وقت کے سوانہیں رہ سکیں گے۔ وہ ملعون ہیں۔ وہ جہاں بھی پائے گئے پکڑے جائیں گے اور خوب خوب قتل ہوں گے۔ پہلے لوگوں میں بھی یہی اللہ تعالیٰ کا طرزِ عمل تھا اور آپ سنت الٰہی میں ہرگز تبدیلی نہیں پائیں گے۔''

مدینہ طیبہ میں حضور اکرم ﷺ کی عزت وناموس کے خلاف یہودیوں اور منافقوں کی سرگرمیوں پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقدامات تحفظ ناموسِ رسالت کے سلسلے میں نمونہ تقلید فراہم کرتے ہیں۔ ان اقدامات کی حیثیت ریاست کی پالیسی کی ہے، کیونکہ اسلامی ریاست تشریعی طور پر ناموس رسالت کے تحفظ کی ذمہ دار ہے۔ اسلامی ریاست کا اقدام تکوینی امر کا تشریعی مظہر ہے اس لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقدامات کو رسالت پناہ کی تائید وحمایت حاصل رہی۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے یہودی کعب بن اشرف کی بدزبانی پر آپ ﷺ کے رویہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طرزِ عمل کا تذکرہ کیا ہے۔ یہ واقعہ آنے والے اَدوار میں ایک مثال کی حیثیت رکھتا ہے۔ اُمت مسلمہ نے ہمیشہ اس سے استدلال بھی کیا اور رہنمائی بھی حاصل کی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اسے تفصیل سے نقل کیا ہے۔ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی مختصر روایت بھی ہے، اس کو ہم یہاں نقل کرتے ہیں۔

جابر بن عبداللہ نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کعب بن اشرف کا ذمہ کون لیتا ہے؟ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، کیا آپ چاہتے ہیں کہ میں اسے قتل کردوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں! انہوں نے عرض کیا پھر آپ ﷺ مجھے اجازت دیں کہ میں کچھ باتیں کہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ایسا کرنے کی اجازت ہے۔

[صحيح البخاري:٣٠٣٣]

اسی طرح ایک اور یہودی جو رسول اللہ ﷺ کو اَذیت دینے کا مشن اپنائے ہوئے تھا، آپ ﷺ نے عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ کے ذمہ لگایا کہ اس سے نجات حاصل کی جائے۔ بخاری ہی کی مختصر روایت درج کی جاتی ہے۔

براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے چند آدمیوں کو ابو رافع کی طرف بھیجا۔ عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ جو اِن میں شامل تھے رات کے وقت اس کے گھر میں داخل ہوئے اور اسے قتل کردیا۔

[صحيح البخاري:٣٠[illegible]]

مسلمان اہل علم کا اس پر اجماع ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی توہین کرنے والے شخص کی سزا قتل ہے۔ امام مالک،

لیث، امام احمد، اسحاق بن راھویہ رحمہم اللہ کا یہی مسلک ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کا بھی یہی مذہب ہے۔ قاضی عیاض رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے اِرشاد کا بھی یہی مقتضی ہے۔ ان سب کے نزدیک اس کی توبہ قبول نہیں ہوگی۔

[البيهقي: ٧/٦٠]

شعبی رحمہ اللہ امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک یہودی عورت نبی کو گالیاں بکتی اور اعتراض کرتی تھی۔ کسی شخص نے اس کا گلا دبا دیا اور اسے مار دیا۔ حضور اکرم ﷺ نے اس کا خون رائیگاں فرما دیا۔

علامہ شوکانی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ابن منذر رحمہ اللہ نے اس بات پر اُمت کا اجماع نقل کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ کو صریحاً گالی دینے والا واجب القتل ہے۔

حضور اکرم ﷺ کے وصال کے بعد اسلامی ریاست کی تنظیم و تنفیذ کی ذمہ داریاں خلفاء راشدین نے سنبھالیں تو ناموسِ رسالت کا تحفظ اَولین فرائض میں سے تھا۔ خلافت راشدہ کے دوران میں سب سے اہم واقعہ مدعیان نبوت کا تھا۔ حضور اکرم ﷺ کی نبوت قیامت اور مابعد تک ہے اس لئے آپ ﷺ کی نبوت کے ہوتے ہوئے کسی نئی نبوت کا اِعلان ناموس رسالت ﷺ کی سب سے بڑی توہین ہے۔ ناموسِ رسالت ﷺ کی حفاظت کا تقاضا تھا کہ جھوٹی نبوتوں سے نبٹا جائے۔ حضور اکرم ﷺ کی زندگی کے آخری اَیام میں بعض طالع آزماؤں نے نبوت کا دعویٰ کر دیا اور عرب قبائل کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کی۔ ان میں سے مسیلمہ کذاب نے تو باقاعدہ آپؐ سے سودا بازی کی جسارت کی۔ ۹ اور ۱۰ ہجری میں جو وفود نبی ﷺ کے پاس مدینہ آئے ان میں بنی حنیفہ کا وفد بھی شامل تھا۔ مسیلمہ اس وفد میں شریک تھا۔ سترہ افراد پر مشتمل اس وفد کے ۱۶ افراد تو حضور اکرم ﷺ کے پاس آئے اور مشرف بہ اسلام ہوئے، لیکن مسیلمہ تکبر کی وجہ سے نہ آیا۔ آپ ﷺ خود اس کے پاس دار بنت الحارث میں تشریف لے گئے اور اسے اسلام کی دعوت دی۔ آپ ﷺ کے ساتھ آپ کے خطیب ثابت رضی اللہ عنہ بن قیس بن شماس بھی تھے۔ مسیلمہ نے ابھی نبوت کا اعلان نہیں کیا تھا، لیکن اس کے خیالات کا اندازہ اس مکالمہ سے ہوتا ہے جو اس نے آنحضور ﷺ سے کیا۔ وہ کہنے لگا: ''اگر آپ چاہیں تو ہمارے اور اس نبوت کے درمیان حائل نہ ہوں۔ پھر اپنے بعد یہ نبوت ہمارے سپرد کر دیں۔'' گویا اس نے سمجھوتہ کرنے کی کوشش کی اس پر حضور اکرم ﷺ نے جو کچھ فرمایا اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے۔

حضور اکرم ﷺ کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی اور آپ ﷺ اس کے پاس کھڑے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تو مجھ سے یہ ٹکڑا مانگے تو میں تجھے وہ بھی نہ دوں گا اور تیرے بارے میں اللہ تعالیٰ نے جو فیصلہ کیا ہے تو اس سے ہرگز تجاوز نہ کر سکے گا۔ اگر تو نے میری اطاعت سے روگردانی اختیار کی تو اللہ تجھے ہلاک کر دے گا۔ تو وہی ہے جو مجھے خواب میں دکھایا گیا۔ یہ ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ ہیں، میری طرف سے تمہیں جواب دیں گے۔ اس کے بعد آپ ﷺ اس سے لوٹ گئے۔ بالآخر اس نے نبوت کا دعویٰ کر دیا اور حضور اکرم ﷺ کو خط لکھا۔

حضور اکرم ﷺ نے خط کا درج ذیل جواب لکھوایا: ''محمد رسول اللہ ﷺ کی جانب سے مسیلمہ کذاب کی طرف۔ امابعد! سلام اس پر جو ہدایت کا اتباع کرے۔ بلاشبہ زمین اللہ کی ہے، وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے عطا کر دے اور اچھا انجام پرہیز کرنے والوں کے لئے ہے۔'' [صحيح البخاري: ٤٣٧٤]

اس مکالمے یا سودا بازی میں ناکامی کے بعد مسیلمہ نے جنگ کی تیاری شروع کردی۔ حضور اکرم ﷺ نے مدینہ میں مقیم بنوحنیفہ کے ایک شخص رجال بن عنفوہ کو مسیلمہ کے پاس نصیحت کے لئے بھیجا، لیکن وہ وہاں جا کر اس سے مل گیا۔ مسیلمہ اپنی طاقت بڑھاتا رہا اور اس دوران میں حضور اکرم ﷺ کا وصال ہوگیا۔

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خلافت کی ذمہ داری سنبھالتے ہی سب سے پہلے مسیلمہ کی سرکوبی کا انتظام کیا۔ پہلے عکرمہ رضی اللہ عنہ بن ابی جہل اور پھر شرجیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کو ان کی کمک کے لئے روانہ کیا۔ عکرمہ رضی اللہ عنہ کے جلدی کی وجہ سے مسلمانوں کو پسپائی ہوئی۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خالد بن ولید کو مسیلمہ سے نپٹنے کے لئے بھیجا۔ مسیلمہ کی جنگی تیاری کا یہ حال تھا کہ صرف قبیلہ ربیعہ کے ۴۰ ہزار جنگجو اس کے ساتھ تھے۔ دیگر کئی قبائل کے لوگ ان کے علاوہ تھے۔ کئی لوگ جو اسے جھوٹا سمجھتے تھے مگر محض قبائلی عصبیت کی وجہ سے ساتھ ہوگئے تھے۔ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا لشکر صرف ۱۳ ہزار افراد پر مشتمل تھا۔ مسیلمہ نے اسلامی فوجوں پر زبردست حملہ کیا، لیکن مسلمان اس پامردی سے لڑے کہ بالآخر مسیلمہ کی فوجوں کے پاؤں اُکھڑ گئے۔ مسیلمہ کے خلاف مسلمانوں کی یہ جنگ جو تاریخ میں جنگ یمامہ کے نام سے مشہور ہے۔ ذی الحجہ ۱۱ ہجری میں ہوئی۔ اس کی شدت خونریزی اور جانی نقصان کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس میں مسیلمہ کذاب کی فوج کے ستر ہزار آدمی مارے گئے جب کہ ایک ہزار سے زائد صحابہ وتابعین شہید ہوئے جن میں خطیب رسول ﷺ ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔

جنگ یمامہ میں قراء صحابہ وتابعین کی بڑی تعداد شہید ہوئی تھی جس کی تلافی ممکن نہ تھی۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ نقصان برداشت کیا، لیکن توہین رسالت قبول کرنے سے انکار کردیا۔ مسیلمہ کے علاوہ دیگر جھوٹے مدعیان نبوت کو بھی کیفر کردار تک پہنچایا۔ اسی طرح حضور اکرم ﷺ کی نافرمانی کرنے والے منکرین زکوٰۃ اور مرتدین کے خلاف بھی قتال کا حکم دیا۔ خلافت راشدہ کے بقیہ عہد میں مسلمان اس قدر غالب تھے کہ کسی شخص کو توہین رسالت ﷺ کی جرأت نہ ہوئی۔ جہاں کہیں اِکا دُکا ارتداد کی کوششیں ہوئیں، انہیں پوری قوت کے ساتھ ختم کردیا گیا۔

بنواُمیہ کا عہد اسلامی سلطنت کی وسعت اور استحکام کا عہد ہے۔ اس عہد میں تابعین، محدثین وفقہاء کی ایک بڑی تعداد قرآن وسنت کی تعلیمات کو منضبط کرنے اور اجتہاد کے اُصولوں کی بنیاد رکھنے میں مصروف تھی۔ اس عہد میں غیر مسلموں کی بڑی تعداد حلقہ بگوش اسلام ہورہی تھی اور اس کے ساتھ حسد وعناد کی چنگاریاں بھی اڑتی تھیں۔ لہٰذا جہاں کہیں توہین رسالت کا ارتکاب ہوتا تو اس کی سزا ملتی۔ اسی طرح عہد بنی عباس کے ابتدائی برس استحکام معاشرت و سیاست کے لحاظ سے مثالی تھے۔ مجوسیوں اور بعض لادینوں کی طرف سے کبھی کبھی اسلامی اقدار کے خلاف باتیں ہوتیں، لیکن زندقہ کی پوری کاوش کو ختم کردیا گیا تھا۔

خلافت راشدہ کے بعد اگرچہ اسلامی نظام حکومت میں کمی آگئی تھی، لیکن ناموس رسالت ﷺ کی حفاظت ایک تہذیبی قدر کے طور پر مسلمان معاشروں میں مستحکم رہی۔ کسی حکمران کو اس مسئلہ پر کمزوری دکھانے کی جرأت نہیں ہوئی۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ علماء وفقہاء اُمت اور محدثین ومتکلمین ملت کا مضبوط موقف تھا۔ ناموس رسالت ﷺ کے تحفظ کو قانونی حیثیت حاصل تھی۔ تمام ائمہ، فقہاء ومحدثین اس بات پر متفق ہیں کہ شاتم رسول واجب القتل ہے اور اسے یہ سزا بطور حد دی جائے گی۔ قاضی عیاض رحمہ اللہ نے امام مالک رحمہ اللہ کا وہ قول نقل کیا ہے جو انہوں

نے ہارون الرشید کے سوال کے جواب میں کہا تھا:

خلیفہ ہارون الرشید نے امام مالک رحمہ اللہ سے اس شخص کے بارے میں پوچھا جس نے نبی اکرم ﷺ کو سب وشتم کیا اور رشید نے یہ بھی ذکر کیا کہ عراق کے فقہاء نے اسے فتویٰ دیا ہے کہ اسے کوڑے مارے جائیں۔ امام مالک رحمہ اللہ کو غصہ آیا اور فرمایا اے امیر المؤمنین! نبی کو گالی دینے کے بعد اُمت کی بقا کس کام کی؟ جو نبیوں کو گالی دے اسے قتل کر دیا جائے اور جو اصحاب رسول کو گالی دے اسے کوڑے لگائے جائیں۔ ہر دور کے فقہاء اس پر متفق رہے ہیں۔ دور حاضر کے بڑے فقیہ شیخ وھبۃ الزحیلی لکھتے ہیں:

اور اکثر حنفی فقہاء نے اسی بناء پر اس ذمی کو جو نبی اکرم ﷺ کو بُرا بھلا کہے، قتل کرنے کا فتویٰ دیا ہے، اگرچہ وہ گرفتاری کے بعد مسلمان بھی ہو جائے۔ گرفتاری کے بعد مسلمان ہونے کی صورت میں اس کو سیاسۃ قتل کیا جائے۔ قاضی عیاض نے الشفاء میں علماء کا اس بات پر اجماع نقل کیا ہے کہ جب مسلمان نبی اکرم ﷺ کو گالی دے تو اس کا قتل واجب ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِينًا﴾

''یقیناً وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو ایذا دیتے ہیں، دنیا و آخرت میں ان پر اللہ کی لعنت ہے اور ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے رسوا کن عذاب تیار کر رکھا ہے۔'' [الاحزاب:۵۷]

مسلمان فقہاء کے ہاں اس سلسلے میں تفصیلی بحثیں موجود ہیں۔ عام طور پر اسے ارتداد کے زمرے میں شامل کر کے قتل کا فیصلہ دیا گیا ہے۔ قاضی عیاضؒ اور امام ابن تیمیہؒ نے رسول اللہ ﷺ کی توہین تنقیص کرنے والے کے قتل کا فیصلہ دیا ہے۔

اللہ ہمیں اور تجھے توفیق دے تو جان لے کہ وہ سب لوگ جو نبی مکرم ﷺ کی گستاخی کریں، سب وشتم کریں، عیب لگائیں یا آپؐ کی ذات، آپؐ کے نسب، آپؐ کے دین یا آپؐ کی کسی عادت میں نقص نکالیں، تعریض کریں یا بطور گالی آپؐ کو کسی شے سے تشبیہ دیں، آپ کی شان میں کمی کریں یا آپؐ کی ذات میں کمزوریاں نکالیں یا عیب کی نسبت کریں تو یہ سب باتیں سب وشتم میں شامل ہیں اور ان کا حکم سب وشتم کا ہوگا اور اسے قتل کیا جائے گا۔

ہماری ذمہ داریاں

چونکہ حضور اکرم ﷺ کی ذات گرامی ہمارے ایمان کی اساس، محبت و اطاعت کا مرکز اور ہمارے تہذیبی تشخص کی علامت ہے، اس لئے اُمت مسلمہ نے اپنی پوری بااختیار تاریخ میں اس بات کا اہتمام کیا ہے کہ توہین رسالت کرنے والا بچ کر نہ جائے۔ مسلم سپین میں عیسائی پادریوں نے ایک منصوبے کے تحت توہین رسالت کا اِرتکاب شروع کیا تھا۔ مسلمان قاضیوں نے اسلامی قانون کے مطابق سزائیں دیں اور مسلمان حکمرانوں نے انہیں نافذ کیا۔

سپین میں شاتت رسول ﷺ کی تحریک ۲۳۴ھ/۸۵۰ء میں شروع ہوئی اور ۲۴۶ھ/۸۶۰ء میں ختم ہوئی۔ لین پول نے اس پر مفصل مضمون لکھا ہے۔ ہم یہاں اس کے کچھ حصوں کا ملخص نقل کرتے ہیں:

''اندلس میں عیسائیوں کو اپنے مذہبی مراسم آزادی سے انجام دینے کی جو رعایتیں حاصل تھیں ان کی طبائع کی کج روی سے اس کا نتیجہ برعکس نکلا۔ اندلس کے پادری کلیساؤں کے پچھلے اقتدار کو بحال کرنے کے خواہاں تھے، لیکن اسلامی

حکومت کی اس رواداراننہ روش سے ان کو عیسائیوں کے جذبات کو برانگیختہ کرنے کا موقع نہیں مل سکتا تھا، اس لئے انہوں نے چند غالی مسیحیوں میں یہ خیالات پیدا کئے کہ مذہب کی اصل روح تکلیفیں اٹھانے سے پیدا ہوتی ہے۔ چاہئے کہ حکمرانوں کو مشتعل کر کے انسانی جسم اور گوشت پوست کو تکلیفیں پہنچائی جائیں تاکہ روح کا تزکیہ وتقدیس ہو سکے۔ اس تحریک کا بانی قرطبہ کا ایک راہب بولوجیس تھا۔ وہ مجاہدے کی راہبانہ زندگی کی وجہ سے عیسائیوں میں عقیدت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ اس نے چند نوجوانوں میں فدائیت کا جذبہ پیدا کیا کہ اپنی روح کو پاک کرنے کے لئے اس نئے دین اسلام اور اس کے داعی علیہ السلام پر سب وشتم کریں اور قتل ہوں، گویا یہ نوجوان مسیح علیہ السلام کی پیروی میں اپنی جانوں کو قربان کرنے کے لئے صلیب پر چڑھ جائیں۔"

امیر عبدالرحمٰن الاوسط کے عہد میں شروع ہونے والی یہ تحریک اس کے بیٹے امیر محمد عبدالرحمٰن کے عہد میں ختم ہوئی۔ مسلم سپین پر لکھنے والے تمام مصنفین نے اس تحریک کا ذکر کیا ہے۔ سٹینلے لین پول، ہیرلڈ لیور مور، انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا وغیرہ نے خصوصیت سے ان مقتولین کا تذکرہ کیا ہے۔

توہین رسالت پر سزا دینے کے سلسلے میں علماء وفقہاء میں اتفاق تھا اس لئے کسی مجرم کے لئے بچ نکلنے کی کوئی صورت نہ تھی۔ اس معاشرتی، اخلاقی اور قانونی دباؤ کی وجہ سے کوئی حکمران سزا کو نہیں ٹال سکتا تھا۔ اس کی مثال اکبر کا عہد ہے۔ اکبر ایک لادین حکمران تھا۔ وہ نہ صرف ہندوؤں کے لئے نرم گوشہ رکھتا تھا بلکہ اسلام کی بہت سی چیزوں سے باغی تھا۔ اس کے عہد میں ایک برہمن نے رسول اکرم ﷺ کی توہین کی اور اکبر اپنے تمام تر جلال بادشاہی کے باوجود اس شاتم رسول کو سزا سے نہ بچا سکا۔ اس عہد کا تاریخ نگار عبدالقادر بدایونی رقم طراز ہے:

عبدالرحیم قاضی متھرا نے شیخ عبدالغنی قاضی القضاۃ کے پاس ایک استغاثہ بھیجا، جس میں بیان کیا گیا تھا کہ وہاں مسلمان ایک مسجد کی تعمیر کا ارادہ کئے ہوئے تھے، لیکن ایک سرکش مالدار برہمن نے سارا عمارتی ساز وسامان اٹھوا لیا اور اس سے صنم کدے کی تعمیر شروع کرا دی۔ میں نے جب اس کے خلاف تادیبی کارروائی کا ارادہ کیا تو اس نے گواہوں کی موجودگی میں حضور اکرم ﷺ کو بُرا بھلا کہنا شروع کیا اور مسلمانوں کی سخت توہین کی۔ شیخ موصوف نے اس کو طلب کیا، لیکن اس نے پیش ہونے سے انکار کر دیا جس پر بادشاہ نے بیربل اور شیخ ابوالفضل کو بھجوا دیا اور وہ اسے لے آئے۔ شیخ ابوالفضل نے جو کچھ گواہوں سے سنا تھا بیان کیا اور کہا کہ اس بات کی تحقیق ہوگئی ہے کہ اس نے گالیاں دی تھیں۔ اس کی سزا کے بارے میں علماء کے دو گروہ ہوگئے تھے۔ ایک نے اسے واجب القتل قرار دے کر سزائے موت کا مطالبہ کیا اور دوسرا اس کے خلاف تعزیر اور جرمانے پر زور دے رہا تھا۔ اس بحث میں معاملہ طول پکڑ گیا اور شیخ نے بادشاہ سے اس کے قتل پر اصرار کیا۔ بادشاہ نے صراحتاً اس کی اجازت نہ دی اور گول مول کہہ دیا کہ شرعی سزا کا تعلق تم سے ہے، ہم سے کیا پوچھتے ہو؟ وہ برہمن اس جھگڑے میں مدتوں قید میں پڑا رہا۔ شاہی محل کی بیگمات اس کی رہائی کے لئے سفارشیں کرتی رہیں، لیکن بادشاہ شیخ کا بہت لحاظ کرتا تھا اس لئے اس نے رہائی کا حکم بھی نہیں دیا۔ شیخ نے جب اس کے قتل کے لئے زیادہ اصرار کیا تو بادشاہ نے وہی جواب دیا کہ ہم تو پہلے ہی کہہ چکے ہیں کہ تم جو مناسب جانو کرو جس کے بعد شیخ نے فوراً ہی اس برہمن کے قتل کا حکم دے دیا اور اس کی تعمیل میں اس کی گردن مار دی گئی۔

ہندو رانیوں اور خوشامدی درباریوں کے اکسانے کے باوجود اکبر جیسے مستبد بادشاہ کو بھی یہ جرأت نہ ہوئی کہ وہ شیخ سے اس بارے میں باز پرس کر سکے، کیونکہ علماء کی اکثریت قاضی القضاۃ کی تائید میں تھی۔

مسلمان سلاطین کے عہد میں توہین رسالت جیسے عمل کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ یہ دور استعمار اور مسلمانوں کی غلامی کے کرشمے ہیں کہ ان کے مقدسات معرض نقد میں ہیں۔ اِستعماریوں نے جہاں جہاں بھی قدم جمائے وہیں وہیں مسلمانوں کے تہذیبی مظاہر کا مذاق اڑایا۔ سلطنت انگریز کی، عدالتیں انگریز کی، جج ہندو، سکھ اور انگریز، کس سے دادفریاد کریں۔ مسلمانوں کی اجتماعیت نے اس صورت حال میں بھی اپنے مؤقف میں تبدیلی نہ کی اور برصغیر کی ملت اسلامیہ کے افراد اپنی انفرادی جرأت و ہمت سے توہین رسالت ﷺ کے مرتکب کو واصل جہنم کرکے شہادت کا مرتبہ پاتے رہے۔ ان حالات میں معاشرے کے مؤثر دینی و معاشرتی طبقات کو اپنی حکمت عملی طے کرنی چاہئے۔ علماء، دانشور، صحافی، معاشرتی و سیاسی رہنما اور دین دار صاحبان مال و ثروت متحد ہوکر توقیر مصطفیٰ کے لئے کام کریں، ناموس رسالت ﷺ کا دفاع کریں اور اسلام دشمن سازشوں کا سدّ باب کریں۔ اس سلسلے میں مندرجہ ذیل اقدامات کئے جاسکتے ہیں۔

① انفرادی اور اجتماعی طریقوں سے ارباب اختیار پر دباؤ بڑھایا جائے تاکہ وہ اُمت مسلّمہ کے متفقہ مؤقف سے انحراف نہ کریں اور خواہاں نہ خواہاں مسلمانوں کے اجتماعی فیصلے کا ساتھ دیں۔ انفرادی ملاقاتیں اور جلسے و جلوس دونوں طریقے اختیار کئے جائیں۔ مذہبی جماعتیں اگر پریشر گروپ (Pressure Group) کی حکمت عملی سے کام کریں تو حکام کے لئے ملک فروشی کے طرزِ عمل کو جاری رکھنا مشکل ہوگا۔

② اسلام اور موجودہ کافرانہ کشمکش میں جو بین الاقوامی عنصر ہے اس کا مقابلہ ملی وحدت سے ہی کیا جاسکتا ہے۔ ہمارے ہاں جو فرقہ وارانہ تقسیم ہے اس نے دلوں میں نفرت اور کدورت کے الاؤ بھڑکا رکھے ہیں۔ اس وقت انہیں ٹھنڈا کرنے کی اور متحدہ مؤقف اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔ بریلویوں اور دیوبندیوں میں گستاخی رسول کے عنوان سے جو مصنوعی جنگ ہے، اسے ختم ہونا چاہئے اور بریلوی اور دیوبندی واعظین کو اپنی خطابت کے جوہر اہل کفر کے خلاف دکھانے چاہئیں۔ ہمارے اہل دین خود ساختہ اختلافات کو ختم کرکے وحدت کو مستحکم کریں۔

③ چونکہ حضور اکرم ﷺ کی ذات گرامی ہمارے ایمان کی اساس، محبت و اطاعت کا مرکز اور ہمارے تہذیبی تشخص کی علامت ہے اس لئے توہین رسالت کے مسئلہ پر کسی طرح کی مفاہمت قابل قبول نہیں۔ اہل علم، اساتذہ، میڈیا کے ذمہ داران اور دینی رہنما ملت کے مختلف طبقات کو توقیر مصطفیٰ ﷺ کے بارے میں آگہی مہیا کریں اور مستحکم کریں۔ توقیر مصطفیٰ ﷺ اُمت مسلمہ کے اجتماعی ضمیر میں نقش ہے، اسے انفرادی سطح پر بھی شعوری طور پر مستحکم کیا جائے تاکہ اُمت مسلمہ کا ہر فرد توہین رسالت کے مسئلہ پر کسی تردد کا شکار نہ ہو اور اسے مکمل طور پر ردّ کردے۔

④ اَرباب اختیار نے اسلام دشمن قوتوں کے ایجنڈے کے نفاذ کا جو طریقہ کار اختیار کیا ہے اس میں ایک یہ بھی ہے کہ بعض نام نہاد دانشوروں کو آمادہ کیا کہ اس مسئلہ کے علمی پہلوؤں میں الجھاؤ پیدا کریں۔ مسلم اہل علم کی ذمہ داری ہے کہ ان کے اٹھائے ہوئے اعتراضات کا جواب دیں، اس کی غلط تعبیرات کی توضیح کریں اور ان کے پیدا کردہ فکری الجھاؤ کو دور کریں۔

⑤ میڈیا کو اس سلسلے میں اپنا کردار ادا کرنا چاہئے۔ مثبت طور پر آگہی مہیا کرنے کے علاوہ توقیر مصطفیٰ ﷺ کا شعور پیدا کرنے کا انتظام کیا جائے اور توہین رسالت کے قانونی اور تہذیبی اثرات سے بھی باخبر کیا جائے۔

ہماری یہ ذمہ داری ہے کہ اہل کفر کے عزائم پہچانیں اور اپنے معاشروں کو سیاسی و معاشی طور پر مستحکم کریں۔ قرآن مجید نے مسلمانوں کو اہل کفر کے عزائم کے بارے میں واضح طور پر خبردار کیا ہے۔ مندرجہ ذیل آیت کا مصداق تو حضور اکرم ﷺ کے عہد کے کفار ہیں، لیکن اس سے عمومی رہنمائی بھی حاصل ہوتی ہے، کیونکہ قرآن اَبدی صداقتوں کا امین ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اِشْتَرَوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ۭ اِنَّهُمْ سَاۗءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾[التوبة:۹]

''اگر یہ تم پر غلبہ پالیں تو قرابت کا لحاظ کریں نہ عہد کا۔ یہ منہ سے تو تمہیں خوش کر دیتے ہیں، لیکن ان کے دل ان باتوں کو قبول نہیں کرتے اور ان میں سے اکثر نافرمان ہیں۔''

قرآن کفار کی نفسیات اور مسلمانوں کے بارے میں ان کے رویوں کو ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:

کفار کے بارے میں جانتے ہوئے بھی ان کی خوشامد کرنا اور ان کو راضی رکھنے کے لئے تگ و دو کرنا مسلمان کے لئے نازیبا ہے۔ مسلمان کے لئے تو ضروری ہے کہ وہ اپنے ایمان کی پختگی اور حضور اکرم ﷺ کے ساتھ وفادارانہ وابستگی کے ساتھ اپنی قوت کو مجتمع کرے۔ بے سبب تصادم کی ضرورت نہیں، لیکن اگر جارحانہ اقدام ہوں تو پھر مناسب حکمت عملی کے ساتھ جواب ضروری ہے۔ قرآن مجید نے اس جانب توجہ دلائی ہے، جب یہ فرمایا:

''اور جہاں تک ہو سکے بذریعہ قوت اور گھوڑوں کے تیار رکھنے سے ان کے خلاف مستعد رہو کہ اس سے اللہ کے دشمنوں اور تمہارے دشمنوں اور ان کے سوا اور لوگوں پر جن کو تم نہیں جانتے اور اللہ جانتا ہے، ہیبت بیٹھی رہے'' اقبالؒ نے اسی کی طرف اشارہ کیا ہے:

رشی کے فاقوں سے ٹوٹا نہ برہمن کا طلسم
عصا نہ ہو تو کلیمی ہے کارِ بے بنیاد

حضور اکرم ﷺ کی عزت و حرمت پر کسی طرح کی مفاہمت اور کمزوری اُمت مسلمہ کو بے وقار کر دے گی اور پر تشدد کفر کو حوصلہ ہوگا کہ وہ مزید اقدام کرے۔

***

روشن جبیں یہ حرفِ شہادت کریں گے ہم
یوں مصحفِ نبی کی تلاوت کریں گے
اپنے لہو کے آخری قطرے تک ریاضؔ
ناموسِ مصطفیٰ کی حفاظت کریں گے ہم
[ریاض حسین چودھری]